# احسن العقائد

اصول دین
توحید
عدل
نبوت
امامت
معاد

شرح باب حادی عشر

تصنیف

سرکار علامہ حلی علیہ الرحمۃ

شارح

علامہ فاضل مقداد علیہ الرحمۃ

ناشر
رحمت اللہ بک ایجنسی
بالمقابل بڑا امام باڑہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰
فون ۲۴۳۱۵۷۷

سید ذوالفقار علی شاہ [illegible]

# احسن العقائد

اردو ترجمہ

## شرح باب حادی عشر

تصنیف

سرکار علامہ حلّی علیہ الرّحمۃ

شارح

علامہ فاضل مقداد علیہ الرحمۃ

ترجمہ و تشریح

علامہ السید محمد قاسم صاحب قبلہ زیدی مدظلہ العالی

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام باڑہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

**قال العلامہؒ:** تیسری بحث اس بیان میں ہے کہ نبی اول عمر سے آخر عمر تک معصوم ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا اول عمر سے آخر عمر تک معصوم ہونا اس لیے ضروری ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض ان حضرات کے لیے عام انسانوں کی اطاعت تامہ کا حاصل ہونا ہے اور جس شخص سے اس کی عمر کے کسی حصے میں بھی گناہان کبیرہ و صغیرہ و موجب نفرت افعال کا صدور ہوگا۔ اس کے لیے عام انسانوں کی اطاعت تامہ حاصل نہیں ہو سکتی۔

**قال الشارحؒ:** فرقہ امامیہ کے علاوہ جو لوگ عصمت انبیاء کے قائل ہیں وہ اس امر کے قائل ہیں کہ انبیاء بعد نزول وحی معصوم ہوتے ہیں لیکن نزول وحی سے قبل یہ لوگ عصمت انبیاء کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ نزول وحی سے قبل انبیاء کافر نہیں ہوتے۔ اور نہ گناہوں پر اصرار ہوتا ہے۔ صدور گناہ عمداً ہو سکتا ہے۔

## فرقہ شیعہ

فرقہ شیعہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت مطلقہ کا قائل ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے کوئی گناہ نہ قبل وحی ہو سکتا ہے۔ اور نہ بعد وحی آخر عمر تک ان سے کوئی گناہ ہو سکتا ہے اس عصمت پر دلیل وہی ہے جس کو علامہ نے ذکر فرمایا ہے قرآن مجید کی بعض آیات و نیز بعض احادیث جن سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوا ان آیات و احادیث میں صدور گناہ سے مراد ترک اولیٰ ہے تاکہ عقل و نقل میں مخالفت لازم نہ آئے علاوہ ازیں ان تمام آیات و احادیث کی تاویلات بیان کر دی گئی ہیں۔ جو اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں۔ اگر کوئی شخص ان تاویلات کو دیکھنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ جناب مرتضیٰ

علم الہدیٰ کی کتاب تنزیہ الانبیاء و دیگر علمائے اعلام کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ اگر کتاب کے طولانی ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس شعر پر کچھ تاویلات کو ذکر کرتے۔

## تشریح مترجم

انبیاء و ائمہ علیہم السلام ابتدائے عمر سے آخر عمر تک معصوم ہوتے ہیں۔ اعلان نبوت و امامت سے قبل ان حضرات کا معصوم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ عدم عصمت کی صورت میں ان حضرات کو خلق کی اطاعت تام حاصل نہ ہو گی جو ان کی نبوت و امامت کی غرض ہے گذشتہ زمانہ کے گناہ اطاعت کے لیے مانع قرار پائیں گے۔

اعلان نبوت و امامت کے بعد ان حضرات کا معصوم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ نبی مبلغ شریعت اور امام حافظ شریعت ہوتا ہے اور ان دونوں کا معصوم ہونا ضروری ہے ورنہ عدم عصمت نبی کی صورت میں احکام خدا یقینی احکام خدا نہ رہیں گے اور عدم عصمت امام کی صورت میں شریعت زیادتی و کمی سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔ و نیز نبی و امام کے لیے سہو و نسیان کی تجویز بھی باطل ہے۔ سہو و نسیان کی تجویز کی صورت میں وہی خرابی لازم آئے گی جو تجویز صدور گناہ کی صورت میں لازم آتی ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صدور گناہ ہوا مثلاً حضرت آدمؑ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی — آدم نے اپنے رب کا عصیان کیا پس وہ نقصان میں رہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے۔

فَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ — اے رسول اپنے گناہ کے لیے استغفار کرو

اسی طریقے سے بعض انبیاء کے لیے ظلم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اس قسم کی تمام آیات کی تاویل واجب ہے اس لیے کہ عقل و نقل کے تعارض کی صورت میں نقل واجب التاویل ہو جاتی ہے۔ مثلاً باری تعالیٰ کا صفت جسمانیات سے منزہ ہونا بدلائل عقلیہ ثابت ہے اور قرآن کی بعض آیات سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ اور چہرہ ہے ارشاد ہوتا ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ — اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ — تم جس طرف بھی اپنا رخ کرو گے وہیں اللہ کا چہرہ ہے

ان آیتوں کا ظاہری ترجمہ اس امر کا وہم پیدا کرتا ہے کہ اللہ کے لیے ہاتھ اور چہرہ ہے اس مقام پر عقل و نقل میں تعارض ہے لیکن ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے کہ عقل پر عمل کریں اور نقل میں تاویل کریں یعنی نقل کے معنی عقل کے مطابق مراد لیں۔ اس لیے کہ اگر یہ صورت اختیار نہ کی جائے گی تو یا عقل و نقل دونوں پر عمل کیا جائے گا یا دونوں کو ترک کر دیا جائے گا اور یا نقل پر عمل کیا جائے گا اور عقل کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ تینوں صورتیں باطل ہیں۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ پہلی صورت میں اجتماع نقیضین لازم آتا ہے اور دوسری صورت میں ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے اور اجتماع نقیضین و ارتفاع نقیضین دونوں محال ہیں۔ تیسری صورت یعنی نقل پر عمل کرنا اور عقل کو چھوڑ دینا اس صورت میں نقل کو بھی چھوڑنا لازم آئے گا۔ اس لیے کہ نقل کو سمجھنے کا ذریعہ ہمارے پاس عقل ہی ہے۔ اور عقل کو چھوڑ دیا گیا ہے نقل کو سمجھنے کا

ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ ہے مگر اس لیے قتل بھی چھوٹ جائے گی۔

ان آیتوں میں یَدٌ سے مراد قوت و طاقت ہے اور وجہ سے مراد کوئی مقام اور جہت ہے۔ اور کسی مقام پر وجہ سے مراد وہ ہستیاں ہیں جو اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے کہ وجہ ہر شئی کا وہ ہے جس سے اس شئے کی معرفت ہو اس طریقہ سے ان آیات کی تاویل ضروری ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور ہوا کیونکر دلیل عقلی سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔

علمائے کرام رحمہم اللہ نے ان آیات کریمہ پر غور کر کے ان کے معانی عقل کے مطابق بیان کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب "تنزیہ الانبیاء" زیادہ مشہور ہے۔ بعض آیات کے معانی ہم بھی بیان کرتے ہیں، جن میں تاویلات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

حضرت آدم علی نبینا و آلہٖ و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہے:

عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی — آدم نے اپنے رب کا عصیان کیا۔ پس مراد کو نہ پہنچے۔

اس آیت کے ظاہری ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے گناہ صادر ہوا۔

**جواب:** لغت میں عصیان کے معنی گناہ کے نہیں ہیں بلکہ عصیان کے معنی خلاف الطاعۃ ہے (صحاح جوہری لغت عصٰی) یعنی طاعت کی ضد کو عصیان کہتے ہیں۔ اور اطاعت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) امر واجب میں اطاعت (۲) امر مستحب میں اطاعت (۳) ترک حرام میں اطاعت (۴) ترک مکروہ میں اطاعت۔ پس اطاعت کی ضد یعنی عصیان کی بھی چار قسمیں قرار پائیں۔

(۱) امر واجب کے ترک میں عصیان (۲) امر مستحب کے ترک میں عصیان (۳) ارتکاب فعل حرام میں عصیان (۴) ارتکاب فعل مکروہ میں عصیان

ہماری اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ عصیان کا کوئی مستقل مفہوم نہیں ہے۔ بلکہ جس قسم کا امر و نہی ہو گی اسی حیثیت کا عصیان ہو گا۔ اگر امر واجب کو ترک کیا ہے تو امر واجب میں عصیان ہو گا جو گناہ ہے۔ اگر امر مستحب کو ترک کیا ہے تو امر مستحب میں عصیان ہو گا جو گناہ نہیں ہے۔ اگر فعل حرام کا ارتکاب کیا ہے تو فعل حرام میں عصیان ہو گا جو گناہ ہے۔ اور اگر امر مکروہ بجا لایا ہے تو امر مکروہ میں عصیان ہو گا جو گناہ نہیں ہے۔ جناب آدم علیہ السلام کا عصیان

لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ — اے آدم و حوا تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا

کے تابع ہو گا۔ اگر لا تقربا حرمت کے لیے ہے تو فعل حرام میں عصیان ہو گا جو گناہ ہے۔ اور اگر لا تقربا کراہت کے لیے ہے تو فعل مکروہ میں عصیان ہو گا جو گناہ نہیں ہے۔

آیت مذکورہ میں لا تقربا حرمت کے لیے نہیں ہے بلکہ کراہت کے لیے ہے یعنی درخت کے قریب جانا آدم و حوا پر حرام نہ تھا بلکہ مکروہ تھا۔ لا تقربا فعل نہی ہے۔ اور فعل نہی کا استعمال حرام و مکروہ دونوں میں ہوتا ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ فعل حرام پر نبی اور اس کی امت مواخذہ میں برابر ہیں۔ فعل حرام پر جس طریقے سے نبی قابل مواخذہ ہے اسی طریقے سے ایک امتی بھی قابل مواخذہ ہے۔ درخت کے قریب جانے کے لیے آدم و حوا دونوں کو منع فرمایا گیا تھا۔ لا تقربا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ درخت کے قریب جانے میں دونوں شریک، کھانے میں دونوں شریک، نیز آثار کے ظاہر ہونے میں دونوں شریک ہیں لیکن جب اس فعل پر مواخذہ کا وقت آیا تو حوا کو نظر انداز کر دیا گیا۔ آدم قابل مواخذہ قرار پائے

جیسا کہ ارشاد ہے:

عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ — آدم نے اپنے رب کا عصیان کیا

عصیان کو آدم کے ساتھ مخصوص فرمایا اور حوا کو نظر انداز فرما دینا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ فعل حوا کے لیے ایسا عصیان نہیں تھا جو قابل مواخذہ قرار پاتا۔ اور وہ عصیان جو امت کے لیے قابل مواخذہ نہ قرار پائے فعل مکروہ یا ترک مستحب ہی کے متعلق ہو سکتا ہے امت سے مکروہات سرزد ہوتے ہی رہتے ہیں۔ البتہ نبی سے اس کے تقرب کی وجہ سے فعل مکروہ و ترک مستحب پر بھی مواخذہ ہو سکتا ہے۔ جس کی بیّن مثال یہ ہے کہ اگر ایک شریف شخص کا لڑکا اور اس کا ایک ملازم بازار میں شاہ راہ عام پر کھڑے ہو کر کھانا کھا لیں۔ تو یہ شخص اپنے ملازم سے اس فعل پر کوئی باز پرس نہ کرے گا کیوں کہ ملازموں سے اس قسم کے افعال ہوتے ہی رہتے ہیں مواخذہ کیسا۔ البتہ یہ شخص اپنے لڑکے سے ضرور باز پرس کرے گا کہ تم نے یہ فعل کیوں کیا۔ حالانکہ لڑکے کے لیے یہ فعل حرام نہیں ہے مگر قابل مواخذہ ہے کیوں کہ لڑکے کا یہ فعل خاندانی شرافت کے منافی ہے۔ اگرچہ حرام نہیں ہے۔ ایسے افعال کے بجا لانے کو ترک اولیٰ کہا جاتا ہے یعنی اس فعل کا ترک بہتر تھا۔

بس ثابت ہوا کہ حضرت آدم کا وہ فعل جس پر عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فرمایا گیا ہے مکروہ تھا نہ کہ حرام۔ فعل مکروہ جس کا ترک کرنا اولیٰ تھا۔ پس آدم علیہ السلام کو گنہگار نہیں کہا جا سکتا۔

اب رہا فَغَوٰی۔ فَغَوٰی بر فائے تفریع ہے۔ یعنی جس قسم کا عصیان ہے اسی قسم کی غوایت مراد کو نہ پہنچنا ہے۔ عصیان چونکہ فعل مکروہ سے متعلق ہے لہٰذا غویٰ کے معنی یہ ہوئے کہ آدم کو اس فعل کے ترک پر جو ثواب حاصل ہوتا اس سے محروم ہو گئے۔

اسی مقام سے ان آیات کا بھی حل ہو جاتا ہے جن آیات میں انبیاء علیہم السلام نے اپنے نفسوں کی طرف ظلم کو منسوب فرمایا ہے کسی مقام پر رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ والے

پالنے والے ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا،

اور کسی مقام پر

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا — اے ہمارے پالنے والے ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا

فرمایا گیا ہے۔ ان آیات میں ترک اولیٰ کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان تمام آیات میں انبیاء علیہم السلام نے ظلم کو اپنے نفسوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اپنے نفس پر ظلم کی وہی چار حیثیتیں ہیں جن کی تشریح ہم کر چکے ہیں۔ اگر ترک واجب یا فعل حرام کے متعلق ظلم ہے تو گناہ ہے۔ اور اگر ترک مستحب یا فعل مکروہ سے ظلم کا تعلق ہے تو یہ ظلم گناہ نہیں ہے۔ ترک مستحب اور فعل مکروہ پر ظلم کا اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں ثواب میں کچھ کمی واقع ہو جاتی ہے۔ کمی ثواب و قلت اجر پر ظلم کا اطلاق شائع و ذائع ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی طالب علم ہر امتحان میں اول نمبر کامیاب ہوتا ہو اور کسی ایک امتحان میں دوسرے نمبر پر آجائے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا کہ اول نمبر نہ آسکا۔ اگر تھوڑی سی محنت اور کر لیتا تو اول نمبر میرے ہاتھ سے نہ جاتا۔ یہ امر بھی ظاہر ہے کہ دوسرے نمبر پر کامیابی گناہ نہیں ہے۔ محض ایک درجہ کی کمی ہے۔ اسی پر انبیاء علیہم السلام کے ظلم کو قیاس کر لینا چاہیے۔ کہ مکروہ کے ترک پر جو اجر ملتا وہ فعل مکروہ یا ترک اولیٰ کی صورت میں نہیں ملا۔ اسی کمی اجر کو انبیاء علیہم السلام نے ظلم سے تعبیر کیا ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے،

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا — اے رسول ہم نے تم کو کھلی فتح

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ — دی۔ اس لیے عنایت فرمائی کہ

ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ — گذشتہ و آئندہ ذنب کی تلافی کر دیں۔

اس آیت میں ذنب گناہ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ اس لیے کہ مغفرت ذنب کی علت و سبب قرار دیا گیا ہے۔ یغفر لک اللہ میں لام تعلیلیہ ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ذنب بمعنی گناہ کا سبب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ذنب سے مراد وہ تکالیف لی گئی ہیں جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کفار کہ سے پہنچی تھیں۔ اور عدم فتح کہ کی صورت میں آئندہ پہنچتیں۔ فتح مکہ کی وجہ سے گذشتہ تکالیف خوشی سے مبدل ہو گئیں اور آئندہ پہنچنے والی تکالیف کا انسداد ہو گیا۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے،

فَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ — اپنے ذنب کے لیے استغفار کرو۔

اس آیت میں ذنب (گناہ کرنا) مصدر ہے۔ مصدر کی اضافت کبھی فاعل کی طرف ہوتی ہے اور کبھی مفعول کی طرف مثلاً ضَرْبُ زَیْدٍ میں زید ضرب کا فاعل بھی ہو سکتا ہے یعنی زید کا کسی کو مارنا اور مفعول بھی ہو سکتا ہے یعنی کسی دوسرے کا زید کو مارنا۔ آیت مذکورہ میں ذنب مفعول کی طرف مضاف ہے جس کی اصل یہ ہے۔

فَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِ اُمَّتِكَ اِيَّاكَ — یعنی امت نے جو تمہاری نافرمانیاں کی ہیں امت کے لیے ان نافرمانیوں سے طلب مغفرت کرو۔

تیسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ — اے رسول اپنے ذنب اور مومنین کے لیے استغفار کرو۔

اس آیت میں بھی ذنب کے لفظ کی اضافت ہے اور امت کی وہ نافرمانیاں مراد ہیں

جو رسول علیہ السلام سے متعلق تھیں اور مومنین کے ذریعہ مومنین کا ذکر علیحدہ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ رسول پر ایمان لانے والوں کے گناہ دو قسم کے تھے۔ کچھ گناہ ان کے ذاتی تھے اور کچھ گناہ رسول کی نافرمانی سے متعلق تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنین کے دونوں قسم کے گناہوں کی معافی تم مانگو۔ ولیغفر لک میں ذنبک سے امت کی وہ نافرمانیاں مراد ہیں جو رسول علیہ السلام سے متعلق تھیں اور للمومنین سے ان گناہوں کی طرف اشارہ ہے جو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانیوں سے متعلق نہ تھے۔

مومنین کے دونوں قسم کے گناہوں سے استغفار کا حکم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ مومنین کے گناہوں کی بخشش میں استغفار رسول کی شرط ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا

اگر وہ لوگ اللہ سے طلب مغفرت کرتے اور رسول ان کے لیے طلب مغفرت کرتے تو اللہ کو توبہ کا قبول کرنے والا رحیم پاتے۔

اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ایمان لانے والوں کے لیے ان کے گناہوں کی معافی طلب کرو۔

چوتھے مقام پر ارشاد ہوتا ہے

[illegible] | اے رسول اللہ سے تم معافی مانگو

ھدایت کی۔

اس حدیث میں ضال کے معنی گمراہی کے نہیں ہیں بلکہ گم شدہ و گمنام کے معنی مراد لیے گئے ہیں لغت میں ضال گم راہ و گم نام دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے۔

الحکمۃ ضالۃ المؤمن — حکمت مومن کی گم شدہ شئی ہے

قرآن مجید میں بھی ضللت و ضللنا کثر مقامات پر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے

پس روایت کا مفہوم یہ ہے:

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ — اے رسول تم نے تم کو گمنام پایا

یعنی اہل مکہ بھی — تمہیں کوئی پہچانتا نہ تھا پس ہم ہی تعالیٰ نے لوگوں کو تمہاری معرفت کرادی۔

ان آیات کے علاوہ جن آیات کے ظاہری معنی عقل کے خلاف ہیں ان سب میں تاویل ضروری ہے ورنہ عقل و نقل دونوں کو چھوڑنا پڑے گا۔

# سہو و نسیان

انبیاء و ائمہ علیہم السلام پر سہو و نسیان طاری نہیں ہوتا کیونکہ سہو و نسیان کی صورت میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے پہنچائے ہوئے احکام پر وثوق نہ رہے گا۔ اور احکام خدا یقینی احکام نہ رہیں گے نیز سہو و نسیان ایک ایسا نقص ہے جو قلب مکلفین سے ان حضرات کی عظمت کے ساقط ہونے کا سبب ہے جس کی وجہ سے ان حضرات کی مخلوق کی اطاعت کم حاصل ہو سکے گی۔

قرآن مجید کی جن آیات میں ان حضرات کی طرف نسیان کی نسبت دی گئی ہے ان آیات

کا نسیان بمعنی ترک استعمال ہوا ہے۔ قرآن و حدیث میں نسیان بمعنی ترک استعمال ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ — ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ دیا جس کے جواب میں اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔

# حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے تذکرہ میں نسیان کے معنی

حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا — آدم سے نسیان ہوا اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے نسیان ہوا۔

**جواب:**

فنسی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدم بھول گئے بلکہ فنسی کے معنی یہ ہیں کہ آدمؑ نے نہی مذکورہ پر عمل کو ترک کر دیا۔ اور ہم نے آدم علیہ السلام میں عزم نہیں پایا۔ اس آیت میں اگر نسی کے معنی بھول جانے کے لیے جائیں گے تو مذمت آیۃ ختم ہو جائے گی کیونکہ بھول جانا آدم علیہ السلام کا اختیاری فعل نہ تھا اور عدم عزم کا ذکر ہے حضرت آدم علیہ السلام کا اختیاری فعل ہے۔ کسی فعل کو بھول جانا اس فعل کے عدم عزم کی دلیل نہیں ہے البتہ کسی فعل کو ترک کرنا اس فعل کے عدم عزم کو مستلزم ہے پس نسی بمعنی بھول جانے کے مقابلہ میں ترک فعل (وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ہم نے آدمؑ میں عزم نہیں پایا) زیادہ مطابق بلاغت ہے۔ اس آیت سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کو بڑی تفصیل کے ساتھ

بیان کر چکے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

| | |
|---|---|
| فَلَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ | اے خضر میرے نسیان پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجیے۔ |

اس آیت میں بھی نَسِيتُ بمعنی تَرَكْتُ (میں نے ترک کیا) استعمال ہوا ہے۔ اگر اس آیت میں نسیان بمعنی ترک نہ لیا گیا تو ایک صاحب کتاب صاحب شریعت پیغمبر کا نسیان (بھول جانا) عوام الناس کے نسیان سے بڑھ جائے گا ہم اس مقام پر قرآن مجید کی ان آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں موسیٰ و خضر کے واقعہ کا ذکر ہے۔

| | |
|---|---|
| قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ | خضر سے موسیٰ نے کہا کہ کیا میں آپ کے |
| عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا | ساتھ قبول کریں کہ جو کچھ اللہ نے آپ کو |
| عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ | تعلیم دی ہے اس میں سے کچھ مجھے بتا |
| إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ | دیں خضر نے جواب دیا کہ تم ہرگز میرے |
| وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ | ساتھ صبر نہیں کر سکتے اور جس چیز کی آپ کو |
| تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝ قَالَ | خبر نہیں دی گئی اس پر آپ بغیر اعتراض کیے |
| سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ | کس طرح رہ سکتے ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ انشاء |
| صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ | اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور کسی امر |
| أَمْرًا ۝ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا | میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ خضر نے |
| تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ | کہا کہ اچھا اگر میرے ساتھ رہنا ہی چاہتے |
| أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا | ہو تو کسی شے کے متعلق مجھ سے اس وقت |

فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَا رَكِبَا
فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا
قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ
أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ
شَيْئًا إِمْرًا ۝ قَالَ أَلَمْ
أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ
مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا
تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ
وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي
عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰى
إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ
قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا
زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ
لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۝
قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ
إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ
صَبْرًا ۝ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ
عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا
تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ

تک سوال نہ کرنا جب تک میں اس شے
کو تم سے بیان نہ کروں اس کے بعد دو
چل دیئے یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار
ہوئے خضر نے اس کشتی میں ایک سوراخ
کر دیا موسیٰ نے کہا کیا کشتی میں سوراخ
کیا کہ اس کشتی کو ڈبو دینا چاہتے ہو خضر نے کہا
کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے
ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے موسیٰ نے
کہا کہ اے خضر میری بھول پر مجھ سے
مواخذہ نہ کیجئے اور میرے امر کو دشوار نہ
بنائیے پھر دونوں نے سفر شروع کیا یہاں تک
کہ ان دونوں کو ایک بچہ ملا خضر نے اس بچے
کو قتل کر دیا موسیٰ نے کہا کہ اے خضر کیا تم
نے پاکیزہ نفس کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا۔
تمہارا یہ عمل ناپسندیدہ ہے خضر نے کہا کہ
موسیٰ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے
عمل پر بغیر اعتراض کیے رہ نہیں سکتے
موسیٰ نے کہا کہ اگر اب میں آپ کے عمل پر
اعتراض کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا

مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ

سورہ کہف آیات

۷۷ تا ۷۸

نے مجھے انتہائی مہلت دے دی اس کے بعد دونوں پھر روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی میں آئے اور بستی والوں سے خواہش کی کہ کچھ کھانے کو دیں۔ بستی والوں نے ان کو مہمان رکھنے سے انکار کر دیا ان دونوں نے اس بستی میں ایک شکستہ دیوار دیکھی جو گرنے والی تھی خضرؑ نے اپنی پشت کا سہارا دے کر اس دیوار کو سیدھا کر دیا موسٰیؑ نے کہا کہ تم چاہتے تو اس دیوار کی اجرت لے سکتے تھے۔ خضر نے کہا کہ اے موسٰیؑ بس اب میں اور تم ساتھ نہیں رہ سکتے۔

اگر حضرت موسٰیؑ کا بار بار اعتراض کرنا وعدہ کو بھول جانے کی وجہ سے تھا تو اس قسم کی بھول تو عوام الناس کو بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ نبی اور نبی بھی صاحب کتاب و صاحب شریعت اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت خضر کو قبل وقوع واقعہ یہ علم کس طرح سے ہو گیا تھا کہ موسٰیؑ ان کے فعل پر ضرور اعتراض کریں گے چنانچہ حضرت موسٰیؑ نے جب ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی تو خضر نے کہا

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا

اے موسٰیؑ تم مجھ پر بغیر اعتراض کیے نہیں رہ سکتے۔

یہ آیت اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ خضر کو موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض کرنے کا یقین تھا۔

دراصل یہ تھا کہ حضرت خضر شریعت باطنی کے پابند تھے اور حضرت موسیٰ کی شریعت ظاہری تھی خضر کا ہر فعل جو شریعت باطنی کے لحاظ سے تھا حضرت موسیٰ کے لیے نبی ہونے کے اعتبار سے قابل اعتراض تھا اسی وجہ سے حضرت خضر نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ ہم اور تم یکجا نہیں رہ سکتے میں شریعت باطنی کا پابند ہوں اور تمہاری شریعت ظاہری ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا بار بار اعتراض کرنا و خلف وعدہ کا بھی خیال نہ کرنا بھول جانے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حضرت خضر کا فعل موسیٰ کی شریعت ظاہری کے خلاف ہوتا ہے اس لیے حضرت موسیٰؑ کا نبی ہونے کے اعتبار سے فرض تھا کہ اپنی شریعت کے خلاف جو فعل دیکھیں اس پر اعتراض کریں۔ حالانکہ جنہوں نے ان کی بعثت کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے خضر ہی نے اپنی شریعت پر عمل کرتے ہوئے جو تم کو بار بار روکا ہے تو اپنے معاہدہ کو بار بار ترک کیا ہے اس میں یہ خیال ہو تو نہیں بھول گئے بلکہ انہوں نے فرض منصبی کو ادا کیا ہے اور منصب کی ادائیگی قابل مواخذہ نہیں ہوتی اعتراضات سہو و نسیان کی وجہ سے نہ تھے۔

حضرت خضر کے افعال کی توجیہیں کہ خضر نے خود بیان کیا ہے کشتی میں سوراخ کر کے کشتی میں عیب پیدا کر دیا جس کی وجہ سے کشتی بادشاہ کے غصب کرنے سے محفوظ رہی۔ بچے کو اس لیے قتل کیا تھا کہ اس بچے کے ماں باپ مومن تھے یہ بچہ بالغ ہو کر کافر بنتا اور ماں باپ کو قتل کر دیتا۔ دیوار کو تعمیر درست اس لیے کیا تھا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ تھا۔ ان بچوں کے باپ دادا میں سے ساتویں پشت میں جو جد تھا وہ مومن تھا اس مومن جد کی وجہ سے اللہ نے چاہا کہ یہ دیوار اس وقت تک قائم رہے کہ جب تک یتیم بچے بالغ ہو جائیں۔